31

توحیدِ کامل کے بغیر کبھی انسان کو حقیقی ایمان اور اطمینان نصیب نہیں ہوسکتا

توحیدِ کامل کا سچا نمونہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے صحابہؓ نے دکھایا

(فرمودہ 21 نومبر 1958ء بمقام ربوہ)

تشہّد، تعوّذ اور سورۃ فاتحہ کے بعد حضور نے مندرجہ ذیل آیات قرآنیہ کی تلاوت فرمائی:

یٰٓاَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوا ارْکَعُوْا وَاسْجُدُوْا وَاعْبُدُوْا رَبَّکُمْ وَافْعَلُوا الْخَیْرَ لَعَلَّکُمْ تُفْلِحُوْنَ وَجَاھِدُوْا فِی اللّٰہِ حَقَّ جِھَادِہٖ [1]

اس کے بعد فرمایا:

''اس آیت میں مومنوں کو خطاب کرتے ہوئے اللہ تعالیٰ فرماتا ہے یٰٓاَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوا ارْکَعُوْا اے مومنو! رکوع کرو۔ رکوع سے ایک تو وہ رکوع مُراد ہوتا ہے جو نماز میں ادا کیا جاتا ہے لیکن رکوع کے ایک معنے توحید کے بھی ہوتے ہیں۔ چنانچہ عرب لوگ اسلام سے پہلے اللہ پر ایمان لانے والے شخص کو ہمیشہ راکع کہا کرتے تھے کیونکہ وہ بُتوں کی پرستش کرنے کی بجائے اللہ تعالیٰ کی طرف اپنی توجہ رکھتا اور اس کے سامنے عجز اور تذلّل کا اظہار کرتا تھا۔ یہاں بھی رکوع کے معنے توحید

کے ہی ہیں کیونکہ آگے عبادت کا ذکر آتا ہے جس میں رکوع بھی شامل ہوتا ہے۔ پس اس جگہ اِرْکَعُوْا سے یہی مُراد ہے کہ اے مومنو! تم توحیدِ کامل اختیار کرو۔

حقیقت یہ ہے کہ مسلمانوں کے سوا اور دوسری کسی قوم میں توحیدِ کامل نہیں۔ دوسرے مذاہب والے بالعموم اپنے ارباب کو اتنی عظمت دیتے ہیں کہ انہیں خدا کا قائمقام بنا دیتے ہیں۔ اُن کے مذہبی پیشوا جو بھی فتویٰ دے دیں وہ سمجھتے ہیں کہ اس سے باہر جانا ناجائز ہے۔ صرف اسلام ہی ایک ایسا مذہب ہے جو یہ کہتا ہے کہ اِسْتَفْتِ قَلْبَکَ وَ لَوْ اَفْتَاکَ الْمُفْتُوْنَ۔2 ایک مفتی تو الگ رہا اگر سارے مفتی مل کر بھی کسی بات کے متعلق فتویٰ دیں لیکن تمہارا دل اور دماغ گواہی دے رہا ہو کہ یہ فتویٰ غلط ہے اور خدا تعالیٰ کی شریعت کچھ اور کہتی ہے تو جو خدا کی بات ہو اسے مانو اُن کے فتووں کو نہ مانو۔ غرض توحیدِ کامل کے بغیر انسان کو کبھی حقیقی ایمان نصیب نہیں ہوتا۔

یہی ایمان تھا جس کا نمونہ صحابہؓ نے دکھایا اور انہوں نے اپنے عمل سے ثابت کر دیا کہ اللہ تعالیٰ سے بڑھ کر انہیں اور کوئی چیز عزیز نہیں۔ احادیث سے پتا لگتا ہے کہ جب رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات ہوئی تو صحابہؓ اُس غم میں پاگلوں کی طرح ہو گئے۔ حتّٰی کہ حضرت عمرؓ جیسے مومن نے بھی کہنا شروع کر دیا کہ اگر کسی نے یہ بات کہی کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم فوت ہو گئے ہیں تو میں اُس کی گردن اُڑا دوں گا۔3 رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم حضرت موسیٰ علیہ السلام کی طرح احکام لینے آسمان پر گئے ہیں۔ وہاں سے وہ واپس آئیں گے اور منافقوں کو ماریں گے۔ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے یہ بات سنی تو آپ مسجد میں تشریف لائے اور منبر پر کھڑے ہو کر فرمایا اَلَا مَنْ کَانَ یَعْبُدُ مُحَمَّدًا فَاِنَّ مُحَمَّدًا قَدْ مَاتَ وَمَنْ کَانَ یَعْبُدُ اللّٰہَ فَاِنَّ اللّٰہَ حَیٌّ لَّا یَمُوْتُ 4 اے لوگو! تم میں سے جو شخص محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی عبادت کیا کرتا تھا اُسے یاد رکھنا چاہیے کہ محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فوت ہو گئے ہیں لیکن جو شخص اللہ تعالیٰ کی عبادت کرتا تھا اسے یاد رکھنا چاہیے کہ اللہ تعالیٰ زندہ ہے وہ کبھی نہیں مرے گا۔

اب دیکھو باوجود اِس کے کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کا صحابہؓ کو شدید صدمہ تھا اتنا صدمہ کہ آپ کے ایک صحابی نے یہ شعر کہے کہ

کُنْتَ السَّوَادَ لِنَاظِرِیْ فَعَمِیَ عَلَیَّ النَّاظِرُ

مَنْ شَاءَ بَعْدَکَ فَلْیَمُتْ فَعَلَیْکَ کُنْتُ اُحَاذِرُ 5

یعنی اے محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! تُو تو میری آنکھ کی پُتلی تھا تیرے مرنے کے بعد آج میری آنکھ اندھی ہوگئی ہے۔ اب تیرے مرنے کے بعد کوئی شخص مرے مجھے اس کی موت کی پروا نہیں۔ مجھے تو صرف تیری موت کا ڈر تھا۔ اب تیری موت کے بعد زید مرے، بکر مرے یا کوئی اَور مرے مجھے اس کی کوئی فکر نہیں۔ پھر بھی ان کی محبت حضرت ابوبکرؓ کی محبت سے زیادہ نہ تھی۔ حضرت ابوبکرؓ کے متعلق رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تھا کہ اگر اللہ تعالیٰ کے سوا کسی انسان کو خلیل بنانا جائز ہوتا تو میں ابوبکر کو خلیل بناتا۔ 6 پھر انہوں نے اسلام کی خاطر اتنی عظیم الشان قربانیاں کی تھیں کہ ان کے مقابلہ میں دوسرے صحابہؓ کی قربانیاں کوئی حیثیت ہی نہیں رکھتیں۔

ایک جنگ کے موقع پر جبکہ سخت تنگی کا زمانہ تھا رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے چندہ کے لیے اعلان کیا۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں میں نے سمجھا آج میں چندہ میں سب سے بڑھ جاؤں گا۔ میں نے اپنی دولت کے دو حصے کر دیئے۔ ایک حصہ اپنے گھر میں رکھا اور ایک حصہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس لے گیا اور میں نے سمجھا کہ آج میرا کوئی مقابلہ نہیں کر سکتا۔ لیکن میرے پہنچنے سے پہلے ہی حضرت ابوبکرؓ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس پہنچ چکے تھے اور جو کچھ انہوں نے رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر کیا تھا اُس کو دیکھ کر رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم فرما رہے تھے ابوبکر! تم نے اپنا سب مال چندہ میں دے دیا؟ تم نے اپنے گھر میں کیا رکھا ہے؟ حضرت ابوبکرؓ نے عرض کیا یارسول اللہ! گھر میں خدا اور اس کے رسول کے سوا اَور کچھ نہیں۔ تب حضرت عمرؓ کہتے ہیں کہ میں شرمندہ ہوگیا اور میں نے سمجھ لیا کہ یہ بڈھا جو ہر میدان میں مجھ سے بازی لے جاتا ہے آج بھی بڑھ گیا ہے۔ 7 میں نے اپنی طرف سے بہت زیادہ قربانی کی تھی لیکن اس نے مجھ سے بھی زیادہ قربانی کی ہے۔ ہر شخص سمجھ سکتا ہے کہ ایسی قربانی کرنے والے انسان کو رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے جو محبت ہوگی وہ اَور کسی کو نہیں ہو سکتی۔ مگر باوجود اس کے اِس نے اُس موقع پر ایسا صبر دکھایا کہ جن لوگوں نے محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو زندہ قرار دیا تھا ان پر خوش ہونے کی بجائے کہ وہ آپ کے محبوب کو زندہ قرار دیتے تھے اس نے ان پر ناراضگی کا اظہار کیا اور کہا زندہ رہنے والا صرف خدا ہی ہے جو شخص خدا تعالیٰ کے سوا کسی اَور کو زندہ قرار دیتا ہے وہ یقیناً مشرک ہے اور میں مشرک نہیں ہوں۔

پھر رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے بعد جب آپ کا تیار کردہ لشکر حضرت اُسامہؓ کی کمان میں شام جانے لگا تو صحابہؓ کے مشورہ سے خود حضرت عمرؓ آپ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور انہوں نے کہا اِس وقت سارا عرب مرتد ہو گیا ہے۔ یہ مناسب نہیں کہ مدینہ کے سب لڑنے والے سپاہی باہر بھیج دیئے جائیں۔ آپ اِس وقت لشکر کو روک لیں تا کہ پہلے منافقوں کا مقابلہ کر لیا جائے۔ جب وہ تباہ ہو جائیں گے اور اسلام پھر نئے سرے سے قائم ہو جائے گا تو شام کو فتح کر لیں گے۔ حضرت ابوبکرؓ جو بظاہر بڑے نرم دل تھے اور لڑائی کرنے والے نہیں سمجھے جاتے تھے کہنے لگے عمر! تم یہ کہتے ہو کہ میں اسامہ کے لشکر کو روک لوں حالانکہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی زندگی میں خود اِس لشکر کو تیار کیا تھا اور آپ نے فرمایا تھا کہ یہ لشکر شام کو بھجوایا جائے۔ کیا میں آپ کا خلیفہ بن کر سب سے پہلا کام یہی کروں گا کہ آپ نے جو لشکر تیار کیا تھا اُس کو روک لوں؟ یہ کبھی نہیں ہوسکتا۔ حضرت عمرؓ نے کہا مدینہ کے اردگرد کے تمام قبائل مرتد ہو گئے ہیں وہ مدینہ پر حملہ کریں گے اور تھوڑے ہی دنوں میں مدینہ کی اینٹ سے اینٹ بجا دیں گے۔ حضرت ابوبکرؓ نے کہا عمر! رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی اطاعت و فرمانبرداری کے لحاظ سے مجھے اس کی کوئی پروا نہیں کہ کیا ہوگا۔ میں رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی بات کو بہرحال پورا کروں گا۔ اگر مدینہ میں سارے منافق آ جائیں اور تم مجھے سب چھوڑ کر چلے جاؤ تب بھی میں اکیلا ان سب کا مقابلہ کروں گا اور خدا کی قسم! اگر مدینہ کی گلیوں میں عورتوں کی نعشوں کو کُتّے گھسیٹتے پھریں تب بھی میں اِس لشکر کو نہیں روکوں گا جس لشکر کو رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے بھجوانے کے لیے تیار کیا تھا8 مگر باوجود اِس عشق اور محبت کے آپ کو اللہ تعالیٰ کی توحید اتنی پیاری تھی کہ جب رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے موقع پر حضرت عمرؓ نے کہا کہ آپ زندہ ہیں تو آپ نے کہا یہ شرک ہے میں اسے تسلیم نہیں کر سکتا۔ شرک اسلام میں جائز نہیں۔ میں تو وہی بات کہوں گا جو خدا تعالیٰ سے ثابت ہے۔ چنانچہ آپ نے توحید کو قائم رکھا اور حضرت اسامہؓ کے لشکر کو بھجوا دیا۔ اِس کا نتیجہ یہ ہوا کہ اللہ تعالیٰ نے آپ کی ایسی تائید فرمائی کہ منافق بھی شکست کھا گئے اور شام میں بھی اللہ تعالیٰ نے حضرت اسامہؓ کو فتح اور غلبہ دیا۔ بیشک شام کی فتح کی تکمیل حضرت عمرؓ کے زمانہ میں جا کر ہوئی لیکن حضرت ابوبکرؓ کے زمانہ میں اس کی ابتدا ہو گئی تھی۔ اِس طرح اللہ تعالیٰ نے حضرت عمرؓ کے ایمان کا بھی انہیں بدلہ دے دیا اور اُن کے ذریعہ اسلام کو بڑی بھاری فتوحات ہوئیں۔ مگر حضرت ابوبکرؓ کا ایمان اس

سے ثابت ہو گیا کہ انہوں نے اپنے محبوب ترین وجود کے متعلق بھی کوئی ایسی بات برداشت نہ کی جو خدا تعالیٰ کی توحید کے منافی تھی۔ اور جب کسی نے کہا کہ وہ زندہ ہیں تو آپ نے فرمایا ہرگز نہیں صرف اللہ تعالیٰ ہی دائمی طور پر زندہ ہے اور وہ کبھی نہیں مرے گا۔ میں موجود ہوں اور یہی تعلیم مجھے رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے دی تھی۔ یہ کس طرح ہو سکتا ہے کہ آپ کی وفات کے بعد ہی میں اس تعلیم کو بھول جاؤں۔ چنانچہ لکھا ہے کہ جب رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کی خبر سن کر آپ تشریف لائے تو آپ نے رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی پیشانی پر بوسہ دیا اور فرمایا خدا کی قسم! اللہ تعالیٰ آپ پر دو موتیں جمع نہیں کرے گا۔9 یعنی یہ نہیں ہو سکتا کہ آپ پر جسمانی موت بھی آئے اور روحانی موت بھی آئے۔ یعنی آپ کی موت کے ساتھ آپ کا مذہب بھی ضائع ہو جائے۔ آپ کا مذہب بہر حال قائم رہے گا۔ جسمانی موت آئی ہے لیکن آپ پر روحانی موت نہیں آ سکتی۔

ایسی ہی توحید کی طرف اللہ تعالیٰ نے اس آیت میں توجہ دلائی ہے کہ یٰٓاَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوا ارْکَعُوْا اے مومنو! کامل توحید اختیار کرو اور ہر طرف سے ہٹ کر صرف خدا تعالیٰ کی طرف توجہ رکھا کرو۔ تمہارا کتنا ہی کوئی عزیز ہو اگر وہ تم سے علیحدہ ہوتا ہے لیکن خدا تعالیٰ کی محبت تمہیں حاصل ہے تو تمہیں خدا تعالیٰ پر اتنا یقین ہونا چاہیے اور اتنا توکّل ہونا چاہیے کہ تمہیں سمجھنا چاہیے کہ کوئی شخص تمہیں نقصان نہیں پہنچا سکتا۔

پھر فرماتا ہے وَاسْجُدُوْا تم سجدہ کرو۔ یہاں بھی سجدہ سے مُراد نماز والا سجدہ نہیں کیونکہ آگے فرمایا ہے وَاعْبُدُوْا رَبَّکُمْ تم اپنے رب کی عبادت کرو اور عبادت میں سجدہ خود شامل ہوتا ہے۔ پس یہاں سجدہ سے مُراد اطاعت اور فرمانبرداری ہے اور اُسْجُدُوْا کے معنے یہ ہیں کہ تم اپنے ماں باپ اور بزرگوں اور حکومت کی اطاعت کرو۔ یا دوسرے لفظوں میں یہ کہ اپنے اندر نظم پیدا کرو، کبھی اپنے اندر بغاوت کی روح نہ آنے دو۔ نہ اپنے خاندانی بزرگوں سے بغاوت کرو اور نہ اپنے مذہبی بزرگوں سے بغاوت کرو اور نہ حکومت کے عُمّال سے بغاوت کرو بلکہ ہمیشہ اطاعت اور فرمانبرداری کے ساتھ اپنی زندگی بسر کرو وَاعْبُدُوْا رَبَّکُمْ اور اپنے رب کی عبادت کرو وَافْعَلُوا الْخَیْرَ لَعَلَّکُمْ تُفْلِحُوْنَ اور ہمیشہ سب سے اچھا کام کرنے کی کوشش کرو۔ خیر کے معنے عربی زبان میں صرف نیکی کے نہیں ہوتے بلکہ اس کے معنے ایسے فعل کے ہوتے ہیں جن میں وہ تمام کمالات اور

خصائص پائے جائیں جو اُس کام کے مناسبِ حال ہوں۔ پس وَافۡعَلُوا الۡخَیۡرَ کے یہ معنے نہیں کہ نیکی کرو بلکہ وَافۡعَلُوا الۡخَیۡرَ کے یہ معنٰی ہیں کہ تم سب سے اچھے اعمال بجالاؤ لَعَلَّکُمۡ تُفۡلِحُوۡنَ تاکہ تم کامیاب ہوجاؤ۔ فلاح کے معنے عربی زبان میں اپنی مُراد کو پالینے کے ہوتے ہیں۔ پس لَعَلَّکُمۡ تُفۡلِحُوۡنَ کے یہ معنے ہیں کہ اگر تم سب سے اچھی نیکیاں بجالاؤ گے تو اس کا نتیجہ یہ ہوگا کہ تمہاری تمام نیک مُرادیں پوری ہوجائیں گی اور اللہ تعالیٰ تمہارے ذریعہ دنیا میں اپنے وجود کو قائم کردے گا۔

مومن کی سب سے بڑی مُراد یہی ہوتی ہے کہ خدا تعالیٰ کی بادشاہت دنیا میں قائم ہوجائے۔ حضرت مسیح علیہ السلام نے بھی یہی کہا تھا کہ اے خدا! جس طرح تیری بادشاہت آسمان پر ہے اُسی طرح زمین پر بھی آجائے۔10 درحقیقت مومن کی سب سے بڑی خواہش یہی ہوتی ہے کہ دنیا میں اللہ تعالیٰ ہر ایک کو نظر آنے لگ جائے۔ وہ یہ نہیں چاہتا کہ صرف مجھے خدا نظر آجائے بلکہ مومن یہ چاہتا ہے کہ ہر ایک کو خدا نظر آجائے اور یہی اس کی مُراد ہوتی ہے۔ جب وہ نیکیوں میں ترقی کرتا ہے تو اللہ تعالیٰ اس کی اس خواہش کو بھی پورا کردیتا ہے اور اس کے ذریعہ دنیا میں اپنا وجود ظاہر کرنا شروع کردیتا ہے۔ جیسے موجودہ زمانہ میں حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے ذریعہ سے ہم نے خدا تعالیٰ کو دیکھا۔ اگر حضرت مسیح موعود علیہ السلام دنیا میں نہ آتے تو خدا تعالیٰ کا وجود ہمارے لیے بالکل مخفی ہوتا۔ عرش پر بیٹھا ہوا وجود کس کو نظر آتا ہے؟ مگر حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کے ذریعہ خدا ہمارے لیے زمین پر آگیا اور ہم نے اپنی آنکھوں سے اُس کے وجود کو دیکھ لیا اور جب تک احمدی احمدیت پر سچے طور پر قائم رہیں گے خدا تعالیٰ اپنے وجود کو ہمیشہ ان کے ذریعہ ظاہر کرتا رہے گا۔ (الفضل 26 دسمبر 1958ء)

مجھے تعجب ہوا کرتا تھا کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم حضرت موسیٰؑ سے بڑے تھے مگر حضرت موسیٰ علیہ السلام کی جماعت کو خدا تعالیٰ نے آج تک بادشاہت دی ہوئی ہے اور نظام اور اتّحاد اُن میں پایا جاتا ہے مگر محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی جماعت میں آپ کی وفات کے چند سال بعد ہی تفرقہ پیدا ہوگیا۔ میں نے اِس پر غور کیا کہ آخر اس کی کیا وجہ ہے؟ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم بہرحال حضرت موسیٰ علیہ السلام سے بڑے تھے۔ چاہیے تھا کہ آپؐ کی روحانی زندگی لمبی ہوتی اور

حضرت موسیٰ علیہ السلام کی چھوٹی ہوتی، لیکن ہم دیکھتے ہیں کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کے زمانہ پر تین ہزار سال سے زائد عرصہ گزر چکا ہے اور رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو وفات پائے صرف چودہ سو سال ہوئے ہیں مگر حضرت موسیٰ علیہ السلام کی جماعت میں اب تک ظاہری ایمان بھی پایا جاتا ہے اور ان کی قوم اب پھر فلسطین پر حاکم ہوگئی ہے جس کی سورۃ بنی اسرائیل میں خبر دی گئی تھی۔ میں نے جب اِس پر غور کیا تو مجھے معلوم ہوا کہ اصل بات یہ ہے کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کی قوم مظلوم تھی اور محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی قوم ظالم تھی یعنی حضرت موسیٰ علیہ السلام پر فرعون نے ظلم کیا تھا مگر محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی قوم پر کسی اَور نے ظلم نہیں کیا بلکہ انہوں نے محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر ظلم کیا۔ اور اللہ تعالیٰ کو ظالم سے اتنی ہمدردی نہیں ہوتی جتنی مظلوم سے ہوتی ہے۔ چونکہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کی قوم مظلوم تھی اِس لیے اللہ تعالیٰ نے ان کی عمر لمبی کر دی اور محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی قوم چونکہ خود ظالم تھی اور آخر وہی قوم مسلمان ہوئی تھی اور وہ وہی لوگ تھے جو رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کی جماعت کو گھروں سے نکالتے تھے، انہیں مارتے اور ان پر ظلم کرتے تھے اس لیے اللہ تعالیٰ نے ان سے وہ سلوک نہ کیا جو حضرت موسیٰ علیہ السلام کی قوم سے اس نے کیا تھا۔

اِس میں کوئی شُبہ نہیں ہے کہ مکہ والے بعد میں ایمان لائے لیکن شروع میں انہوں نے بڑے بڑے ظلم کیے تھے۔ چنانچہ تاریخ میں لکھا ہے کہ ایک دفعہ حضرت عمرؓ صبح کے بعد مسجد میں بیٹھے ہوئے تھے کہ لوگ عید کی مبارکباد دینے کے لیے آنا شروع ہوئے۔ مکہ کے بعض رؤساء جو اسلام کے سخت دشمن تھے اُن کی اولادیں بھی جو اَب مسلمان ہوگئی تھیں آئیں۔ حضرت عمرؓ کا خاندان چونکہ نسب یاد رکھا کرتا تھا اور اسے مکہ کے لوگوں میں سے سب سے زیادہ خاندانوں کا نسب نامہ یاد تھا اس لیے حضرت عمرؓ اُن کے خاندانوں سے خوب واقف تھے۔ آپ نے انہیں محبت سے اپنے قریب جگہ دی۔ جب وہ بیٹھ گئے اور خوش ہوئے کہ خلیفۂ وقت نے ہماری بڑی عزّت کی ہے، تو اتنے میں کوئی صحابی آ گئے۔ آپؓ نے اُنہیں فرمایا ذرا پیچھے ہٹ جاؤ اور اس صحابی کو جگہ دے دو۔ وہ پیچھے ہٹ گئے اور اِس صحابی کو جگہ دے دی۔ پھر کوئی اَور صحابی آ گیا تو آپ نے کہا ذرا اَور پیچھے ہٹ جاؤ اور اِس کو جگہ دو۔ پھر ایک مسلمان غلام آ گئے تو حضرت عمرؓ نے فرمایا ذرا اَور پیچھے ہٹ جاؤ اور اِس کو جگہ دے دو۔ حتّٰی کہ وہ لوگ ہٹتے ہٹتے جُوتیوں میں پہنچ گئے۔ انہیں یہ دیکھ کر کہ وہ رؤساء کے بیٹے ہیں اور ان پر غلام صحابہؓ کو

فضیلت دی گئی ہے سخت صدمہ ہوا اور وہ وہاں سے نکل کر باہر آ گئے۔ وہ بارہ تیرہ نوجوان تھے۔ باہر آ کر انہوں نے آپس میں باتیں شروع کر دیں کہ دیکھو! آج ہماری کتنی ذلّت ہوئی ہے۔ وہ غلام جن کو ہم کل جوتیاں مارا کرتے تھے آج ان کو آگے بٹھایا گیا ہے اور ہمیں پیچھے دھکیلا گیا ہے۔ ان میں سے ایک نوجوان عقلمند تھا۔ اُس نے کہا تمہیں پتا ہے کہ جب تمہارے باپ دادا محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو مارنے اور آپ کو قتل کرنے کی فکر میں تھے اُس وقت یہ غلام اپنی جانیں دے کر آپؐ کو بچاتے تھے۔ حضرت عمرؓ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے خلیفہ ہیں تمہارے خلیفہ نہیں۔ اگر حضرت عمرؓ نے ان قربانیوں کی وجہ سے جو انہوں نے رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے کی تھیں ان کا احترام کیا ہے تو یہ بات ضروری تھی۔ انہوں نے کہا کہ یہ تو درست ہے مگر اس ذلّت کا کوئی علاج بھی ہے؟ وہ کہنے لگا اِس کا علاج بھی حضرت عمرؓ سے ہی پوچھنا چاہیے۔ چنانچہ وہ دوبارہ حضرت عمرؓ کے پاس گئے۔ آپ نے فرمایا تم تو چلے گئے تھے۔ پھر دوبارہ کیوں آئے؟ انہوں نے کہا ہم نے آپ سے مشورہ لینا ہے۔ اے امیر المومنین! ہمیں پتا ہے کہ ہمارے باپ دادوں نے بڑی مخالفتیں کی تھیں اور انہوں نے محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور مسلمانوں پر بڑے بڑے ظلم کیے تھے لیکن وہ تو مر گئے۔ اب ہم اُن کی اولادیں اِس کی سزا بھگت رہی ہیں۔ کیا کوئی ایسا ذریعہ بھی ہے جس سے ہم اِس داغ کو مِٹا سکیں۔ چونکہ وہ مکہ کے رؤساء کے بیٹے تھے حضرت عمرؓ کی آنکھوں میں آنسو آ گئے اور آپ کے منہ سے بات تک نہ نکل سکی۔ آپ نے رِقّت کے جوش میں صرف ہاتھ اُٹھا کر شام کی طرف اشارہ کر دیا۔ جس کا مطلب یہ تھا کہ تمہارے سوالوں کا جواب اس طرف ہے۔ یعنی تم شام میں چلے جاؤ۔ وہاں روم کے بادشاہ سے لڑائی ہو رہی ہے، وہاں جا کر اسلام کی خدمت کرو۔ اِس سے تمہارے سب داغ دُھل جائیں گے۔ تاریخ میں لکھا ہے کہ وہ لڑکے اُسی وقت گھوڑوں پر سوار ہو کر شام کی طرف چلے گئے اور پھر ان میں سے کوئی بھی زندہ واپس نہیں آیا سارے کے سارے وہیں شہید ہو گئے۔ 11

تو اِس میں کوئی شُبہ نہیں بعد میں انہوں نے قربانیاں کیں لیکن آخر ابتدائی چیز کیسے دور ہو سکتی ہے۔ وہ تو بہرحال قائم رہے گی۔ ابوجہل کو دیکھو چونکہ اس نے محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر بڑے بھاری ظلم کیے تھے اِس لیے باوجود اِس کے کہ اُس کے بیٹے عکرمہؓ نے بڑی قربانیاں کیں پھر بھی اُس کی اولاد اُس کی طرف اپنے آپ کو منسوب کرنے کے لیے تیار نہیں ہوتی۔ چنانچہ ابوجہل کی اولاد اب بھی

سرگودھا کے اردگرد موجود ہے لیکن وہ اپنے آپ کو ابوجہل کی اولاد نہیں کہتے بلکہ کسی اَور کی طرف منسوب کرتے ہیں۔ اِس کی یہی وجہ ہے کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی مخالفت کی وجہ سے ابوجہل بدنام ہو چکا ہے اور لوگ اپنے آپ کو اس کی طرف منسوب کرنا بُرا خیال کرتے ہیں حالانکہ اس کے بیٹے نے بعد میں اسلام کی بڑی خدمت کی تھی۔

ابوجہل کے مظالم یہاں تک پہنچ چکے تھے کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم ایک دن گھر سے نکل کر صفا پہاڑی کے ایک پتھر پر بیٹھے ہوئے تھے اور آپ اس بات پر غور کر رہے تھے کہ میں نے اپنی قوم کو اتنی تبلیغ کی ہے لیکن اس پر کوئی اثر نہیں ہو رہا۔ اتنے میں ابوجہل آپ کے پاس سے گزرا اور اُس نے آپ کو زور سے تھپّڑ مارا اور پھر اُس نے گندی گالیاں دینی شروع کر دیں۔ مگر رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اُسے کوئی جواب نہ دیا اور خاموشی سے اٹھ کر اپنے گھر چلے گئے۔ آپ کا آبائی مکان صفا پہاڑی کے سامنے ہی تھا۔ آپ کے مکان کا دروازہ کھلا تھا صرف پردہ لٹکا ہوا تھا جس میں سے گھر کی ایک پرانی لونڈی جس نے اپنی ساری عمر اُس گھر میں ہی گزار دی تھی یہ واقعہ دیکھ رہی تھی۔ بوڑھی لونڈیاں بھی گھر کے افراد کی طرح ہی ہو جاتی ہیں۔ اِس لونڈی نے گھر کے سب بچوں کو پالا تھا جو اَب بڑی عمر کے ہو چکے تھے۔ اس نے یہ سارا واقعہ دیکھا مگر وہ ایک عورت تھی کر ہی کیا سکتی تھی۔ غصہ میں اندر ہی اندر کُڑھتی رہی۔ یہ واقعہ نو دس بجے صبح کے قریب ہوا۔ شام کے وقت حضرت امیر حمزہؓ جنہیں شکار کا بہت شوق تھا تیرکمان کندھے پر ڈالے ہوئے اندر داخل ہوئے۔ انہیں دیکھتے ہی وہ لونڈی غصہ سے آگے بڑھی اور کہنے لگی تم بڑے بہادر بنے پھرتے ہو! تمہیں پتا نہیں کہ آج تمہارے بھتیجے کے ساتھ کیا ہوا؟ میں اندر کھڑی دروازہ سے دیکھ رہی تھی۔ محمد (رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم) باہر پتھر پر بیٹھا تھا کہ ابوجہل آیا اور اُس نے اُسے زور سے تھپڑ مارا اور پھر اُسے گالیاں دینی شروع کر دیں۔ خدا کی قسم! محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) نے اُسے کچھ بھی نہیں کہا تھا۔ وہ اُس کی گالیاں خاموشی سے سنتا رہا اور تکلیف برداشت کرتا رہا۔ تم اتنے بہادر بنے پھرتے ہو اور ہر وقت جانوروں کا شکار کرتے رہتے ہو، تم ابوجہل کو جا کر کیوں نہیں مارتے؟ لونڈی کے منہ سے نکلی ہوئی بات حضرت حمزہؓ کے دل پر اثر کر گئی۔ وہ ابھی مسلمان تو نہیں ہوئے تھے لیکن پھر بھی اپنے بھتیجے پر زیادتی کی وجہ سے اُنہیں غیرت آئی۔ وہ وہیں سے اُلٹے واپس لوٹے اور سیدھے خانہ کعبہ میں گئے۔ رؤسائے مکہ خانہ کعبہ میں بیٹھے

ہوئے تھے اور ابوجہل بڑا فخر کر رہا تھا کہ میں نے آج محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کو مارا اور اُسے گالیاں دیں اور وہ بالکل ڈر گیا اور آگے سے بول بھی نہ سکا۔ اتنے میں حضرت حمزہؓ وہاں پہنچ گئے اور انہوں نے زور سے اپنی کمان ابوجہل کے سر پر مارتے ہوئے کہا کمبخت! اگر تجھے بہادری کا دعوٰی ہے تو آ اور میرے ساتھ لڑ، ورنہ شرم کر، محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) نے تو تجھے کچھ بھی نہیں کہا تھا مگر پھر بھی تُو نے اُسے گالیاں دیں اور بُرا بھلا کہا۔ میں نے اب سارے مکہ والوں کے سامنے تجھے مارا ہے، اگر تجھ میں ہمت ہے تو میرا مقابلہ کر۔ ابوجہل اُس وقت رؤسائے مکہ میں بڑی قدر و منزلت رکھتا تھا۔ حضرت حمزہؓ کی اس حرکت پر انہیں غصہ آیا اور وہ جوش میں اٹھے اور حضرت حمزہؓ کا مقابلہ کرنا چاہا مگر ابوجہل ایسا گھبرایا کہ وہ کہنے لگا تم حمزہ کو کچھ نہ کہو، مجھ سے ہی آج زیادتی ہوگئی تھی۔ میں نے محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کو صفا پہاڑی پر بیٹھے ہوئے دیکھا تو مجھے غصہ آ گیا کہ کیا اِس کو اتنی جرأت ہوگئی ہے کہ یہ بھی پہاڑی پر بیٹھے، یہ تو ہمیں کُھلا چیلنج ہے۔ اس لیے میں نے اُسے گالیاں بھی دیں اور مارا بھی۔ پس حمزہ کا غصہ حق بجانب ہے۔12

یہ وہ مظالم تھے جو ابوجہل نے کیے۔ اِنہی مظالم کا یہ نتیجہ ہے کہ باوجود ابوجہل کے بیٹے کی عظیم الشان قربانیوں کے اُس کی نسل اپنے آپ کو اُس کی طرف منسوب نہیں کرتی۔ تو جو قوم ظلم کرتی ہے اُس کے ظلم کا اثر نسلاً بعد نسلٍ چلتا چلا جاتا ہے۔ اور اگر کوئی مظلوم بنتا ہے تو اُس کی مظلومیت کا اثر بھی نسلاً بعد نسلٍ چلتا ہے۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام کی قوم مظلوم بنی اور فرعون ظالم بنا۔ فرعون کی نسل کبھی بادشاہ نہیں بنی وہ ہمیشہ ذلیل رہی اور ہمیشہ بنی اسرائیل سے شکست کھاتی رہی۔ ایک دفعہ حضرت موسیٰ کے بعد بھی فرعونیوں نے بنی اسرائیل پر حملہ کیا مگر اس میں بھی شکست کھائی اور ذلیل ہوئے اور آج فرعون کی نسل کا تو نام تک بھی نہیں مگر موسیٰ علیہ السلام کی قوم پھر اسرائیل پر حکومت کر رہی ہے۔ اِس کی وجہ یہی ہے کہ انہوں نے ظلم سہے اور خدا تعالیٰ نے مظلوم کی مدد کی۔ اگر مکہ والے بھی ظلم نہ کرتے اور رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی شروع میں ہی اطاعت قبول کر لیتے تو آج مسلمانوں پر بھی یہ اِدبار نہ آتا۔ اگر حضرت موسیٰ علیہ السلام کی قوم تین ہزار سال چلی تھی تو محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی قوم تیس ہزار سال چلتی کیونکہ مظلوم کی مدد کی جاتی ہے۔ مگر رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم پر ایمان لانے والے وہ لوگ تھے جنہوں نے شروع شروع میں آپ پر بڑے بھاری ظلم کیے تھے اس لیے وہ اِدبار کا شکار ہوگئے۔ مگر

قرآن کریم ہمیں مایوس نہیں کرتا وہ کہتا ہے وَافْعَلُوا الْخَيْرَ لَعَلَّكُمْ تُفْلِحُوْنَ۔ تم نیکیوں میں ایک دوسرے سے آگے بڑھنے کی کوشش کرو۔ پھر تمہاری سب مرادیں پوری ہو جائیں گی اور خداتعالیٰ دینی اور دنیوی برکات تم پر نازل کرے گا۔ مکہ والوں کے مظالم کا ازالہ ہو جائے گا۔ تو خداتعالیٰ دوبارہ اپنی توجہ مسلمانوں کی طرف پھیرے گا اور وہ توجہ قیامت تک ممتد ہوگی۔ مسلمان دنیا پر غالب آ جائیں گے اور دنیا کی کوئی قوم ان کا مقابلہ نہیں کر سکے گی۔

اِس کے علاوہ ہم پر یہ ذمہ داری بھی عائد ہوتی ہے کہ ہم قادیان کو آباد کریں۔ فرض کرو اگر خداتعالیٰ کے نزدیک ہمیں قادیان پچیس یا پچاس یا سوسال تک نہیں ملنا تو کیا تمہارا یہ فرض نہیں کہ تم اُسے آباد رکھو؟ لیکن تم نے اُسے آباد کرنے کی کیا کوشش کی ہے؟ تم نے یہ کبھی نہیں سوچا کہ جو آدمی وہاں رہتے ہیں وہ کھائیں گے کہاں سے اور اُن کے اخراجات کس طرح پورے ہوں گے؟ چونکہ قادیان سے ہجرت کے وقت سب کام کرنے والے پاکستان آ گئے تھے اور جو لوگ قادیان میں رہ گئے تھے وہ ناتجربہ کار تھے اِس لیے شروع شروع میں وہ اس کی آبادی کی طرف زیادہ توجہ نہ دے سکے۔ میں نے اِس مقصد کے لیے اپنے ایک بچہ کو وہاں رکھا تھا لیکن وہ اس مقصد میں کامیاب نہیں ہوا۔ اگر ہندوستان میں بھی پانچ سات لاکھ کی جماعت ہو جاتی تو وہاں کی جماعت کا بجٹ کئی لاکھ کا ہو جاتا اور جوں جوں جماعت بڑھتی جاتی بجٹ بھی بڑھتا جاتا لیکن یہ ساری ذمہ داری قادیان والوں پر ہی نہیں آپ لوگوں پر بھی ایک حد تک یہ ذمہ داری عائد ہوتی ہے۔ اس لیے یہاں کے بجٹ میں بھی قادیان کا حصہ ہونا چاہیے۔ اگر خداتعالیٰ ہماری جماعت کی تعداد کو بڑھا دے اور اس کی آمد میں اِس قدر زیادتی ہو جائے کہ جماعت کا بجٹ پچیس تیس لاکھ ہو جائے تو چار پانچ لاکھ روپیہ کی رقم قادیان کے لیے آسانی سے نکل سکتی ہے بشرطیکہ پاکستان اور ہندوستان کے تعلقات زیادہ ٹھیک ہو جائیں اور پاکستانی حکومت اُدھر رہ جانے والے مسلمانوں کی مدد کی اجازت دے دے یا اس کے ایکسچینج کی حالت اچھی ہو جائے اور وہ ہندوستان روپیہ بھجوانے پر سے پابندی ہٹا دے۔ اور اگر کسی وقت یہاں کے رہنے والوں کو مشکلات ہوں تو باہر کی جماعتوں یعنی امریکہ، افریقہ اور یورپین ممالک کی جماعتوں کا فرض ہے کہ وہ قادیان کو آباد رکھیں اور اس غرض کے لیے اپنے بجٹ کا کچھ حصہ قادیان کے لوگوں کی امداد کے لیے بھجوائیں کیونکہ وہ پاکستان سے باہر کے ہیں اور اُن پر پاکستان کا قانون عائد نہیں ہوتا۔ بیشک اِس کے

نتیجہ میں ربوہ کے مرکز کو کسی قدر مشکلات پیش آ سکتی ہیں لیکن اگر ہماری جماعت کی تعداد بڑھ جائے اور چندوں میں بھی اضافہ ہو جائے تو باوجود اِس کے کہ ہماری بیرونی آمدنوں کا ایک حصہ قادیان میں منتقل ہو جائے گا ربوہ پھر بھی آباد رہے گا۔اِنْشَاءَ اللّٰہُ۔ اِدھر ہماری جماعت کے دوستوں کا فرض ہے کہ وہ ربوہ میں مختلف قسم کی صنعتیں اور چھوٹی چھوٹی دستکاریاں جاری کریں تا کہ جس طرح دوسرے شہر اپنے طبعی سامانوں کی وجہ سے آباد ہیں وہی طبعی سامان ربوہ کو بھی میسر آ جائیں اور اس کی آبادی ترقی کرتی چلی جائے۔تمام جماعتوں کا فرض ہے کہ وہ یہ روح اپنے افراد میں پیدا کریں، خصوصیت کے ساتھ پاکستان کی جماعتیں ربوہ کو آباد کرنے کی طرف توجہ کریں۔لیکن اِس کا یہ مطلب نہیں کہ وہ قادیان کو آباد کرنا بھول جائیں بلکہ یہ طریق اختیار کیا جائے کہ امریکہ، افریقہ، یورپ اور دوسرے بیرونی ممالک کی جماعتیں زیادہ زور قادیان کو آباد کرنے پر لگائیں اور اِس سے اُتر کر ربوہ کی آبادی کی طرف توجہ دیں اور پاکستان کی جماعتیں زیادہ زور ربوہ کو آباد کرنے پر دیں اور جہاں تک قانون اجازت دیتا ہو قادیان کی آبادی کی طرف توجہ کریں۔اگر ذمہ داری کو تقسیم کر لیا جائے تو کام زیادہ سہولت سے ہو سکتا ہے۔

پھر اگر تم خدا تعالیٰ سے بھی دُعائیں کرو تو وہ تمہیں اِس کام کو پورا کرنے کی توفیق عطا فرما دے گا اور اِن دونوں شہروں کی آبادی کے سامان پیدا کر دے گا۔تم اپنے ایمانوں کو مضبوط کرو اور اپنے آپ کو خدا تعالیٰ کے ہاتھوں میں دے دو اور اُس سے ہر وقت دُعائیں کرتے رہو کہ وہ خود ایسے سامان پیدا کرے کہ یہ دونوں شہر جلد سے جلد آباد ہو جائیں۔وہ خدا جو حضرت آدم علیہ السلام سے لے کر اب تک اپنی قائم کردہ جماعتوں کے لیے غیر معمولی سامان پیدا کرتا چلا آیا ہے وہ اب بھی اِس بات پر قادر ہے کہ وہ ہمارے لیے غیر معمولی سامان پیدا کر دے لیکن اس کے لیے ضروری ہے کہ تم ان تمام صلحاء کے نقشِ قدم"۔　　(غیر مطبوعہ مواد از خلافت لائبریری ربوہ)

"پھر فرماتا ہے وَجَاھِدُوْا فِی اللّٰہِ حَقَّ جِھَادِہٖ ط اللہ تعالیٰ کے راستہ میں ایسا جہاد کرو جو جہاد کا حق ہے۔"جہاد کا حق ہے" کہہ کر بتا دیا کہ جہاد کی جتنی قسمیں ہیں تم ان تمام قسموں کو پورا کرو صرف تلوار کا جہاد ہی جہاد نہیں بلکہ اسلام کی اشاعت کے لیے ہر قسم کی قربانیاں کرنا اور دلائل اور براہین سے دشمنوں کا مقابلہ کرنا بھی جہاد میں ہی شامل ہے۔اور یہ وہ جہاد ہے جو

حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام ساری عمر کرتے رہے اور آج آپ کی جماعت بھی جہاد کر رہی ہے۔ چنانچہ یورپ، امریکہ، افریقہ، انڈونیشیا، سیلون، ماریشس، ہندوستان اور دیگر کئی ممالک میں احمدیوں نے جہاد شروع کیا ہوا ہے۔ وہ تبلیغِ اسلام کرتے ہیں اور لوگوں تک خدا تعالیٰ کا پیغام پہنچاتے ہیں اور کوشش کرتے ہیں کہ لوگ محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی غلامی میں داخل ہوں۔ اب تک بعض ایسے ہندوؤں کے خط میرے نام آتے رہتے ہیں جنہوں نے قادیان کی چھپی ہوئی بعض کتابیں پڑھی ہیں اور کہتے ہیں کہ ہم پر اسلام کی حقیقت کھل گئی ہے۔ ہماری درخواست ہے کہ آپ ہمارے لیے دُعا کریں۔

اِس سال جب ہم جابہ میں تھے تو میاں بشیر احمد صاحب نے آموں کی ایک ٹوکری مجھے بھجوائی۔ یہ اُس ہندو نے قادیان سے بھجوائے تھے جس کے پاس ہمارا دارالانوار والا باغ ہے۔ اُس نے لکھا کہ ایک دن خواب میں حضرت مرزا صاحب تشریف لائے تھے اور انہوں نے کہا تھا آپ نے ہمیں آم کیوں نہیں بھجوائے؟ چنانچہ میں یہ آم بھجواتا ہوں تا کہ خواب پوری ہو جائے۔ غرض ہمارا جہاد آج بھی لوگوں کے دلوں میں اسلام کی محبت پیدا کر رہا ہے۔ ہندوستان میں بھی، امریکہ میں بھی، یورپ میں بھی اس کے ذریعہ سینکڑوں لوگوں کو اسلام کی طرف توجہ پیدا ہو رہی ہے اور یہ توجہ پیدا ہوتی چلی جائے گی یہاں تک کہ تمام دنیا میں اسلام پھیل جائے گا۔ آج اسلام کی حیثیت بیشک ظاہری طور پر کم نظر آتی ہے لیکن ایک وقت آئے گا کہ اس کے مقابلہ میں غیر مذاہب کی حیثیت بہت ہی کم ہو جائے گی کیونکہ اسلام کے لیے فتح مقدر ہے اور اس کے دشمنوں کے لیے شکست مقدر ہے''۔

(الفضل 26 دسمبر 1958ء)

1: الحج: 78، 79

2: کنز العمال جلد 10 صفحہ 250 مطبوعہ حلب 1971ء حدیث نمبر 29339 میں اِسْتَفْتِ نَفْسَکَ وَاِنْ اَفْتَاکَ الْمَفْتُوْنَ کے الفاظ ہیں۔

3: اسد الغابۃ جلد 3 صفحہ 221۔ مطبوعہ ریاض 1286ھ

4: بخاری کتاب فضائل اصحاب النبیِّ صلی اللہ علیہ وسلم باب لَوْ کُنْتُ مُتَّخِذاً خَلِیْلاً ......

5: دیوان حسان بن ثابت مترجم صفحہ 230 حاشیہ مطبوعہ لاہور 2009ء، السیرة الحلبية جلد 3 صفحہ 397 مطبوعہ مصر 1935ء

6: بخاری کتاب فضائل اصحاب النَّبِیّ صلی اللہ علیہ وسلم باب لَوْ کُنْتُ مُتَّخِذاً خَلِیْلاً ......

7: ترمذی ابواب المناقب باب مناقب ابی ابکر الصدیق (الخ)

8: تاریخ الخلفاء للسیوطی صفحہ 51 مطبوعہ لاہور 1892ء

9: بخاری کتاب فضائل النبی صلی اللہ علیہ وسلم باب لَوْ کُنْتُ مُتَّخِذاً خَلِیْلاً ......

10: متی باب 6 آیت 9 تا 11

11: اسد الغابة جلد 2 صفحہ 372۔ مطبوعہ ریاض 1285ھ

12: سیرت ابن ہشام جلد 1 صفحہ 311، 312۔ مطبوعہ مصر 1936ء